© rasailojaraid.com

حقیقتِ تصوّف

پروفیسر طیب شاہین لودھی صاحب

اکثر علماء کے نزدیک اسلام میں تصوّف کی ابتدا زہد سے ہوتی ہے۔ لیکن زہد و ورع کے متعلق یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کا تصور مسیحیت سے لیا گیا ہے جیسا کہ اکثر مستشرقین اس کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اسلام کے متعلق ان کے اکثر دعاوی محض تعصب پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کرم فرماؤں کی نام نہاد "علمی تحقیقات" ہمیشہ اپنے ساتھ تعصب لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ یہ حضرات اسلام کے بنیادی عقائد اور نظریات کے سرچشمہ کی تلاش عیسائیت، یہودیت، رومن قوانین میں اور خدا جانے کہاں کہاں کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس مفہوم کی بہت سی آیات ملتی ہیں جن میں دنیا کی زینت اور اس کے مال و متاع اور لذائذ کو عارضی قرار دیا گیا ہے اور یہ کہ آخرت ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ اسی طرح احادیث کے ذخیرے میں ایک معتد بہ حصہ زہد وغیرہ کی احادیث پر مشتمل ہے۔ متقدمین اصحابِ حدیث نے زہد و ورع کی احادیث کو اگرچہ کسی علیحدہ باب میں بیان نہیں کیا تاہم دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے اوائل میں زہد کی احادیث کو علیحدہ اور مستقل ابواب کی صورت میں جمع کیا جانے لگا تھا۔ بلکہ زہد کی احادیث علیحدہ کتابی صورت میں مدون ہونے لگی تھیں۔ چنانچہ امام احمدؒ کی "کتاب الزہد"، عبداللہ بن مبارک، وکیع بن الجراح اور ہناد بن سری کی تصنیفات مشہور ہیں۔

صحابہ کرام خصوصاً سابقینِ اوّلین تزکیہ نفس کی تمام منزلوں سے گزر چکے تھے۔ زہد کی حقیقت اُن کے دلوں میں پوری طرح جاگزیں تھی۔ انہیں زہد و ورع اور رہبانیت و ترکِ دنیا میں امتیاز و تفریق کا کامل شعور تھا۔ انہیں اس حقیقت کا بھی مکمل شعور تھا کہ سابقہ اُمتیں خصوصاً مسیحیت کس طرح افراط و تفریط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی شکار ہو کر ترکِ دنیا کے غیر فطری راستوں سے ہوتی ہوئی رہبانیت کی دلدل میں پھنس گئی۔[1] اور وہ قوم جو دنیا کا تزکیۂ نفس کرنے کے لیے برپا ہوئی تھی باطل فلسفیانہ نظریات سے اس قدر متاثر ہوئی کہ ایک اور رہتی سی کی بھول بھلیوں میں صراطِ مستقیم کو ہمیشہ کے لیے کھو بیٹھی۔ قرآن مجید میں عیسائیوں کی ان بدعات کا واشگاف انداز میں ذکر کیا گیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا رھبانیۃ فی الاسلام فرما کر نفس کشی، ترکِ دنیا اور ترکِ تناسل وغیرہ کا ہمیشہ کے لیے دروازہ بند کر دیا۔

زہد کیا ہے؟ علما اور اصحابِ تزکیۂ نفس سے زہد کی بہت سی تعریفیں منقول ہیں۔ ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق زہد کی تعریف کی ہے۔ صوفیہ کی تعبیرات ان کے ذوق و احوال کی آئینہ دار ہیں۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:

"چیتھڑے پہننے اور موٹا جھوٹا کھانے کا نام زہد نہیں بلکہ دنیا کی قلتِ امید کا نام زہد ہے۔"[2]

ابن جلاءؒ کہتے ہیں:

"دنیا کو زوال کی آنکھ سے دیکھنے کا نام زہد ہے۔"[3]

یحییٰ بن معاذؒ کہتے ہیں:

"زہد مال کے ذریعے سخاوت پیدا کرتا ہے اور محبت روح میں سخاوت پیدا کرتی ہے۔"[4]

ابوسلیمان دارانیؒ نے ان الفاظ میں زہد کی تعریف کی ہے:

"زہد نام ہے ہر اس امر کے ترک کرنے کا جو اللہ تعالیٰ سے غافل کرتا ہے۔"[5]

جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

"ملکیت سے ہاتھ کھینچ لینا اور دل کو اس کے تتبع سے روک دینا زہد ہے۔"[6]

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ - سورۂ الحدید حواشی آیت نمبر ۲۷

[2] مدارج السالکین ۲ : ۱۰ [3] مدارج السالکین ۲ : ۱۱

[4] ایضاً [5] ایضاً [6] ایضاً

© rasailojaraid.com

یہ ہیں زہد کے بارے میں علماء اور اصحاب طریقت کے چند چیدہ اقوال۔ تمام اقوال کا مفہوم تقریباً ایک ہے۔ یعنی زہد دراصل نفس کی بے رغبتی کا نام ہے۔ قرآن مجید نے چند الفاظ میں زہد کی حقیقت بیان کر دی ہے۔ بقول ابن قیمؒ لسانِ علم سے نکلا ہوا کلام لسانِ ذوق سے نکلے ہوئے کلام سے زیادہ وسعت کا حامل اور برہان و دلیل سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت زہد کی حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے:

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ
وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ [۱]

"تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے اس پر تم افسوس نہ کرو اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔"

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے مذکورہ بالا مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"دنیا کے آنے پر عدم فرحت اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے پر عدم حزن کا وصف زہد کہلاتا ہے۔"

ان سے پوچھا گیا۔ "ایک شخص کے پاس ایک ہزار دینار ہیں۔ کیا وہ زاہد ہو سکتا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا "ہاں! اس صورت میں کہ ان کے زیادہ ہونے پر خوش نہ ہو اور کم ہونے پر غمگین نہ ہو۔"[۲]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے زہد کی یہی حقیقت تھی۔

اسی مفہوم کو ابن تیمیہؒ نے الفاظ کا ایک اور ہی پیرایہ دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"جو چیز آخرت میں فائدہ نہ دے اس کو ترک کرنا زہد کہلاتا ہے اور آخرت میں جس چیز کے ضرر کا خوف ہو اس کو چھوڑ دینا ورع کہلاتا ہے ___ زہد و ورع کے باب میں

---

۱ سورۃ الحدید آیت نمبر ۲۳

۲ مدارج السالکین ۲: ۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ مقولہ بہترین اور جامع ترین عبارت ہے۔ [1]"

امام احمدؒ نے زہد کے تین مدارج بیان کیے ہیں۔

اوّل: ترکِ حرام - یہ عوام کا زہد ہے۔

دوم: حلال اور مباح اشیاء میں ترکِ فضولیات - یہ خواص کا زہد ہے۔

سوم: ان تمام امور کو ترک کر دینا جو اللہ تعالیٰ سے توجہ ہٹاتے ہیں۔ اور یہ عارفین کا زہد ہے۔

زہد کا اسلامی تصور قرآن مجید کے حوالے سے ہم نے اصحابِ علم کے الفاظ میں زہد کا جو مفہوم بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین کی پوری زندگی اس پر شہادت دیتی ہے۔ یہی زہد کا اسلامی تصور ہے۔ جو قرآن ہی سے اخذ کیا گیا ہے۔ زہد کا یہی وہ تصور ہے جو عجمی نظریات کی درآمد سے قبل قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں واضح طور پر موجود تھا۔

یہ زہد کا شعور ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جب سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے تو اس وقت بھی آپ کی حالت یہ تھی کہ اس دولت میں سے اپنی ذات پر ایک حبہ بھی خرچ نہیں فرمایا۔ مال کی آمد پر آپؐ کو کبھی فرحت نہیں ہوئی۔ اس وقت بھی آپؐ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اس وقت بھی آپؐ پیوند لگا لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔ اس وقت بھی آپؐ کے گھر میں کئی کئی روز تک آگ نہیں جلتی تھی۔ اس دنیا سے تشریف لے جانے سے قبل گھر میں رکھے ہوئے چند درہم بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں تقسیم فرما دیے۔ آپؐ کی نظر میں سونے چاندی اور کنکر پتھر میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔ یہی حال صحابہ کرام کا تھا۔ ان کے اذہان میں زہد اور ورع کا تصور بالکل واضح تھا اور وہ اس پر عامل بھی تھے۔ جب قیصر و کسریٰ کے تمام خزانے سمٹ کر مدینہ پہنچ گئے تو اس وقت بھی صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ ان کا سب سے زیادہ باعزت شخص کھجور کے سایے میں پتھر کا تکیہ رکھ کر زمین پر سو جایا کرتا تھا۔ ان کی نگاہ بلند، قلب سوز و گداز سے لبریز اور ذہن ان تمام مقاصد سے کامل طور پر آگاہ تھا۔ جن کے لیے اُمّتِ مسلمہ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ یہ مقاصد لمحہ بھر کے لیے

---

[1] مدارج السالکین ۲ : ۱۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کبھی اُن کی نظروں سے اوجھل نہیں ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و تابعین کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلاشبہ انہوں نے زہد کو اختیار کیا۔ لیکن اپنے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لیے بقدرِ ضرورت دُنیا کو استعمال کرنے سے کبھی گریز نہیں فرمایا۔ وہ دُنیا سے فرار ہو کر جنگلوں اور صحراؤں میں نہیں نکل گئے۔ بلکہ انہوں نے افراط اور تفریط سے دامن بچاتے ہوئے طیباتِ رزق سے استفادہ کیا اور باطل اور ظلم و تعدّی کا دُنیا کے آخری کونے تک تعاقب کیا۔

قرآن مجید میں تزکیہ نفس کو انبیائے کرام صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ کی بعثت کا اوّلین مقصد قرار دیا گیا ہے۔ تمام انبیائے کرام کا طریقِ تزکیہ عام طور پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ تزکیہ خاص طور پر ان چار مقاصد پر مشتمل ہے۔

اوّل: اللہ تعالیٰ سے محبت کی تجرید۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی۔

سوم: اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی تجرید۔

چہارم: باطل اور شر کے خلاف پیہم جدوجہد۔

اوّل الذکر تین مقاصد کو اخلاص فی العبودیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، جس کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ [1] اور اسلام کا نظریہ جہاد اسی مقصدِ چہارم کی عملی تعبیر ہے۔

متقدمین اصحابِ تزکیہ نفس کے نزدیک تمام منازل و مقاماتِ سلوک کی غرض و غایت انہی مقاصد کا حصول ہے۔ جن کے حصول کے بعد مومن مقامِ احسان پہ پہنچ جاتا ہے۔ یہی وہ مقامِ احسان ہے، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں تعبیر فرمایا ہے: أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی بندگی بجا لائے گویا کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تجھ میں یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو اس طرح بندگی کرے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] سورۃ البیّنۃ آیت نمبر ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو تجھے دیکھ رہا ہے۔[1] ـــــ اور بندۂ مومن کا اپنے اندر اس کیفیت کو پیدا کر لینا احسان، تزکیۂ نفس اور حقیقت عبودیت ہے۔ قلب کو اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اس کے اسماء و صفات کی مقتضیات پر مرتکز رکھنا مومن کی معراج ہے۔

فطرتِ انسانی کے داعیے ابن قیمؒ کے مطابق بنیادی طور پر انسانی فطرت میں تین قسم کے داعیے پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے جو داعیہ انسان کی فطرت پر غالب آجاتا ہے، انسان کے افعال اسی کے مطابق رونما ہوتے ہیں۔

اوّل۔ شیطانی داعیہ:۔ یہ داعیہ انسان کو شیطانی اخلاق و عادات اختیار کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔ اور انسان اس داعیے کے تحت، تکبّر، حسد، بغاوت و عدوان، فخر و تعلّی، شرپسندی، ایذا رسانی، فساد اور دھوکہ جیسی شیطانی صفات سے متصف ہونے پر آمادہ ہوتا ہے۔

دوم ـــ حیوانی داعیہ:۔ یہ داعیہ انسان کو حیوانی اخلاق و اطوار اپنانے پر ابھارتا ہے اور وہ اس داعیے کی تحریک پر شہوت پرستی، بطن پرستی اور حرص و لالچ جیسی مذموم عادات کو اختیار کر لیتا ہے۔ یہ داعیہ درحقیقت شہوات کا داعیہ ہے۔

سوم ـــ ملکوتی داعیہ:۔ یہ داعیہ انسان کو ملائکہ کے اخلاق اختیار کرنے کی طرف دعوت دیتا ہے۔ مثلاً توحید، احساسِ عبدیت، شکر گزاری، خیر خواہی، نیکی و اطاعت اور حصولِ علم وغیرہ۔ انسانی فطرت میں موجود پہلی دو اقسام کے داعیوں کو دبا کر بتدریج محو کرنا اور تیسری قسم کے داعیے کو ابھار کر بتدریج انسان کی فطرت میں سمو دینا درحقیقت انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد ہے۔ وہ تمام اصولِ مدنیت، تزکیۂ نفس کے وہ تمام طریقے، انسانی معاشرے کو راہِ اعتدال پر رکھنے کے وہ تمام قوانین اور افعال کے حسن و قبح کے وہ تمام ضابطے جو تعلیماتِ وحی پر مبنی ہیں۔ ان کا مقصد ان ملکوتی داعیوں کو اجاگر کرنا۔ شیطانی داعیوں کو یکسر محو کرنا اور حیوانی داعیوں کو مناسب حد تک محدود اور پابند رکھنا ہے تاکہ انسان صحیح معنوں میں خطۂ ارضی پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ بن سکے۔ پہلی امتیں اپنے انبیا کی تعلیمات میں دانستہ یا نادانستہ طور پر تحریفات کی مرتکب ہوتی رہی ہیں۔

---

[1] مسند امام احمد عن عمرؓ، مسلم اور ترمذی عن عمرؓ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گمراہ کن نظریات سے متاثر ہو کر دین میں نت نئی بدعات شامل کرتی رہی ہیں۔ آخر کار ان کی تعلیمات کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سابقہ امتوں کے اس مرض کہن کی تشخیص عطا کی گئی تھی۔ آپؐ نے ان کے ایک ایک مرض کی نشاندہی کر کے اپنی امت کو اس سے بچنے کی تلقین کی۔ آپؐ نے تجرید و تزکیہ کے ان تمام راستوں پر چلنے سے منع فرما دیا جو زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے ہو کر گزرتے ہیں۔ آپؐ نے ان تمام ذرائع کو مسدود کر دیا جو بنی نوعِ انسان کو رہبانیت کی اجاڑ اور خوفناک راہوں پر دھکیل دیتے ہیں۔ جب ہم حدیث اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایسی بہت سی احادیث ملتی ہیں جن سے یہ تصور اجاگر ہوتا ہے کہ مسلسل روزے رکھنا، روزے کو روزے سے ملانا، جسم کو اذیت دینا، تجرد کی زندگی بسر کرنا، رات بھر جاگنا، گوشت اور دیگر طیباتِ رزق سے پرہیز کرنا "تکلفاً" منہ سے حالوں رہنا اور انسانی معاشرے میں اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے پہلو تہی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کوئی قابلِ تحسین بات نہ تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتِ طیبہ میں ایک چیز جو بہت نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی تمام زندگی اپنے نفس پر قابو رکھنے اور کفر و عصیان کی شیطانی قوتوں کے خلاف جد وجہد سے تعبیر ہے۔ انہوں نے اپنے رب کی رضا کے حصول میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

تقریباً ڈیڑھ سو سال تک اسلامی معاشرہ اسی نہج پر چلتا رہا لیکن عباسی عہد کی ابتدا ہی سے اسلام کو دین و دنیا کے دو خانوں میں تقسیم کر لیا گیا۔ عیسائی راہبوں، ہندو جوگیوں، فلوطینی اشراقیوں، صابیوں اور مانویوں کے اثرات کے تحت مسلمانوں میں بھی اس بے بنیاد اور انسانی معاشرے کے لیے تباہ کن نظریے نے جنم لیا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ انسان دنیاوی محبت کے تمام رشتوں کو قطع کر دے۔ خدا تک پہنچنے کے لیے نفس کشی، ترکِ طیبات اور جسمانی اذیت کو ضروری قرار دے دیا گیا۔ یہ سراسر رہبانیت کی صدائے بازگشت تھی۔ تب تزکیۂ نفس، تجرید، اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا جوئی کے لیے ضروری ٹھہرا کہ صوف کا لباس پہنا جائے، چلہ کشی کی جائے گھر بار چھوڑ چھاڑ کر غاروں اور کھوہوں میں ٹھکانہ بنا لیا جائے تاہم آپ کو متقدمین اصحابِ تزکیہ نفس میں یہ چیز ہرگز نہیں ملے گی۔ متقدمین کا طریقِ تزکیہ قرآن سے ماخوذ تھا، ان کی اصطلاحات ٹھیٹھ اسلامی تھیں۔ ان کی عبادات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اوراد و وظائف کا وہی رنگ تھا جو صحابہ کرام کا تھا۔ کرامات و مکاشفات کی بھرمار نہ تھی — غیب دانی اور کائنات پر تصرف کے دعوے نہ تھے، وہ سیدھے سادے پاک دل اور پاکباز مسلمان تھے۔ اُن کی محفلوں میں علم کے چشمے رواں تھے، وہ اسی معاشرے میں رہ کر لوگوں کی تربیت کر رہے تھے۔ علم کے متلاشی اُن کی صحبت میں علومِ دین سے فیض یاب ہو رہے تھے، اُن کی نگاہِ تیز دلِ وجود کو چیر جاتی تھی۔ اُن کی درویشی سے حجاج جیسے جابر، منصور جیسے سیاست دان اور مامون جیسے عالم و فاضل خوف کھاتے تھے۔ یہ لوگ اسلام کے مقاصد سے خوب آگاہ تھے۔ اس لیے یہ آپ کو کبھی تو قاضی کے روپ میں عدل و انصاف کرتے نظر آئیں گے، کبھی علمِ نبوت کی اشاعت کرتے دکھائی دیں گے۔ کبھی مملکتِ اسلام کی سرحدوں کا دفاع کرتے دکھائی دیں گے اور کبھی آپ اُن کو معتصم کے دربار میں اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ یہ وہ دَور تھا۔ جب شریعت و طریقت یا شریعت و حقیقت میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ تصوف درحقیقت احسان اور تزکیہ نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔

دوسری صدی کے وسط میں اہلِ زہد کے لیے "صوفی" کے لقب کا استعمال شروع ہو گیا تھا — حسن بصریؒ (متوفی ۱۱۰ھ) اور ابو ہاشم (متوفی ۱۵۰ھ) پہلے شخص ہیں جن کو "صوفی" کہا گیا[1]۔ تاہم دوسری صدی ہجری کے اواخر تک زہد، فقر اور تصوف ایک ہی چیز کے مختلف نام تھے۔ اپنے وطن سے دُور ہونے کی بنا پر اُن کو "غربا" کہا جاتا تھا۔ صوف کا لباس پہننے کی وجہ سے ان کو "صوفی" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ کثرتِ سفر کی بنا پر "سیاحین" کے نام سے معروف تھے۔ اہلِ شام ایسے لوگوں کو "جوعیہ (بھوک اور فقر و فاقہ برداشت کرنے والے لوگ)" کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ مال و دولت سے تہی دست ہونے کی وجہ سے "فقراء" کہلاتے تھے[2]۔

قرنِ ثالث میں بتدریج فقراء اور زہاد میں سے مخصوص لوگوں کو "صوفی"[3] کہا جانے لگا۔ کیونکہ عبّاد اور زہّاد نماز روزے اور دیگر عبادات میں نہایت باریک بینی سے چھوٹی چھوٹی جزئیات تک کا

---

[1] التصوف الاسلامی ص ۱۷ -

[2] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۲۱ تا ۲۶ ، تاریخ ادبیاتِ ایران ص ۲۹۸ ، ۲۱۴ -

[3] التصوف الاسلامی ص ۱۶ -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو بہت خیال رکھتے تھے۔ لیکن وہ اعمالِ قلوب کی حلاوت اور تہذیبِ نفس کے ذائقے سے آشنا نہیں تھے۔ بقول اصحابِ تصوف تزکیۂ نفس ان کا طریق نہ تھا۔ پھر تدریج تصوف ایک الگ ادارے کی حیثیت اختیار کر تا گیا۔ جنیدؒ بغدادی (متوفی ۲۹۷ھ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے صوفیانہ معانی وضع کیے ان کی شرح لکھی اور ان کو تعلیم دی۔[1]

تصوف کیا ہے؟ تصوف کے اشتقاق اور صوفی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ اصحابِ تصوف میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ صوفی "صفاء" سے مشتق ہے۔ چنانچہ بشر بن الحارثؒ کہتے ہیں۔

"صوفی وہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے قلب کو صاف کر لیا ہو۔"[2]

کچھ لوگوں نے اِن الفاظ میں تصوف کی تعریف کی ہے۔

"صوفی وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صاف ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ صاحبِ کرامت ہے۔"[3]

کتانیؒ کہتے ہیں۔ "تصوف اخلاق کا نام ہے جو آپ سے اخلاق میں بڑھ گیا وہ صفائی میں آپ سے بڑھ گیا۔"[4]

ابو علی رودباریؒ کہتے ہیں۔ "کدورتِ تعب کے بعد صفائی قرب کا نام تصوف ہے۔"[5]

سیّد علی ہجویریؒ رقمطراز ہیں۔ "تصوف اور صوفی دراصل لفظ "صفاء" سے مشتق ہیں۔ اس کی ضد "کدر" (یعنی کدورت) ہے۔ پس جس شخص نے اپنے اخلاق اور معاملات کو مہذب بنایا اور اپنی طبیعت کو کدورتوں اور کھوٹ اور میل سے پاک صاف کر لیا اور اسلام یعنی حق تعالیٰ کی سچی عبودیت کا وصف اپنے اندر پیدا کر لیا تو وہ صوفی بن گیا اور اہلِ تصوف میں شامل ہو گیا۔"[6]

[1] التصوف الاسلامی ص ۱۷، تاریخ ادبیاتِ ایران ص ۲۹۸

[2] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۲۱ [3] ایضاً

[4] الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۳۹ [5] ایضاً [6] کشف المحجوب ص ۹۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سہیل بن عبداللہ تستریؒ سے پوچھا گیا کہ صوفی کسے کہتے ہیں تو انھوں نے فرمایا:

"جو کدورتوں سے پاک صاف ہو گیا ہو" [1]

ابوالقاسم قشیری کے استاد ابو علی دقاق نے بھی تقریباً یہی تعریف کی ہے[2]۔

کچھ اربابِ تصوف لفظ "صوفی" اور تصوف کو "صوف" سے مشتق قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ صوف کا لباس پہننے کی وجہ سے اہل زہد اور اصحاب تزکیۂ نفس کو صوفی کہا جانے لگا۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ اصحابِ صفہ اور بعض دیگر صحابہ زہد اور فقر کی بنا پر صوف کا لباس پہنا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ابوبکر کلاباذیؒ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صوف کا لباس پہنا کرتے تھے[3]۔ حسنؒ کہتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا ہے، وہ صوف کا لباس پہنا کرتے تھے[4]۔

بعض کہتے ہیں کہ "صوفی" "صُفّہ" سے مشتق ہے۔ کیونکہ صوفیہ کے اوصاف اصحابِ صفہ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ صُفّہ سے "صُفّیہ" بنا اور پھر کثرتِ تداول کی بنا پر "صوفیہ" بن گیا۔

بعض کی رائے ہے کہ صوفیہ کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی بلند ہمتی، اپنی تمام تر جمعیتِ قلبی اور باطن کے تمام اسرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے پہلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں[5]۔

کچھ اہلِ علم کی رائے ہے کہ بیت اللہ کی خدمت میں جو شخص سب سے پہلے منفرد ہوا اس کا لقب "صوفہ" تھا اور نام غوث بن مر یا ابنِ غوث بن مر تھا۔ چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف انقطاع میں "صوفہ" سے مشابہ ہوتے لہٰذا انھوں نے اپنا نام صوفیہ رکھا[6]۔ ابن جوزیؒ نے اسی وجہ تسمیہ کو ترجیح دی ہے[7]۔

"صفہ" سے نسبتِ صوفی کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح "صفا" سے صوفی کا اشتقاق بھی

[1] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۲۵

[2] الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۳۸

[3] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۲۲ [4] ایضاً ص ۲۳ [5] ایضاً ص ۲۴

[6] تلبیسِ ابلیس ص ۲۲۵ تا ۲۲۶ [7] ایضاً ص ۲۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقتضائے لغت کے لحاظ سے بہت بعید ہے۔ البتہ صوف سے صوفی، تصوّف سے متصوف اور متصوفہ وغیرہ کا اشتقاق تو صحیح ہے۔ لیکن متقدمین اصحاب سلوک نے بطورِ خاص صوف کو اپنے لیے کبھی مخصوص نہیں کیا۔ بلکہ سلف میں بہت سے بزرگوں کے نام ملتے ہیں جو تواضع اور زہد کے اظہار کے لیے بطورِ خاص صوف کے لباس کو پہننا مستحسن قرار نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ سفیان ثوریؒ صوف کے لباس پہننے کو بدعت قرار دیتے تھے[1] ایک دفعہ حمّاد بن ابی سلیمان بصری آئے تو فرقد السنجی ان کی زیارت کے لیے صوف کا لباس پہن کر آئے تو حمّاد نے اُن سے فرمایا:

"اپنے جسم سے یہ اپنی نصرانیت اُتار دو"[2]

محمد بن سیرینؒ سے کہا گیا کہ کچھ لوگ صوف کا لباس پہنتے ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام صوف کا لباس پہنا کرتے تھے۔ محمد بن سیرینؒ نے فرمایا:

"مجھے اپنے نبی کی سنت زیادہ محبوب ہے"[3]

ابن الجوزی نے حسن بصری، ابو قتادہؒ، ابو العالیہؒ، فُضَیلؒ، ابو سلیمان، عبداللہ المبارک، ایوب سختیانی اور بعض دیگر بزرگوں سے بطورِ خاص صوف کا لباس اختیار کرنے کی کراہت نقل کی ہے[4] سلف میں اظہار زہد و تعبد کے لیے صوف کے لباس سے اختصاص کو پسند نہیں کیا جاتا تھا۔

ابن الجوزیؒ اور دیگر علماء کی نقل کردہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں صوف کا لباس مسیحی راہبوں اور صابیوں کے لیے مخصوص تھا۔ اور یہ اُن کا امتیازی لباس تھا۔ نیز اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ بعض مسلمان اہلِ زہد بھی صوف کا لباس پہنا کرتے تھے۔ اور بعد میں لفظ "صوفی" بقول ابو علی دقاق غالب طور پر اہل زہد کے لیے استعمال ہونے لگا۔ لغتِ عربی کے

---

[1] التصوف الاسلامی ص ۱۲ تلبیس ابلیس ص ۲۶۵

[2] ایضاً ص ایضاً ایضاً ص ۲۶۴

[3] منہاج السنۃ النبویۃ ۲ : ۱۲۲

[4] تلبیس ابلیس ص ۲۶۳ تا ۲۶۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لحاظ سے اس لفظ پر کسی لغوی قیاس یا اشتقاق سے استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہ لفظ گویا لقب کی طرح ہے۔[1] کیونکہ اکثر ارباب تصوّف کا اتفاق ہے کہ صوفیہ کو یہ لقب صوف پہننے کی وجہ سے ملا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ "تصوف" عجمی کلمہ ہے اور اس کی اصل ہندی ہے اور اس کا معنی ہے حقیقتِ اولیٰ یعنی حقیقتِ الٰہیہ کی طرف سعی و جہد کرنا، یہ وہ اساس ہے جس پر وحدۃ الوجود کے نظریے کی تمام عمارت قائم ہے[2] حامد الفقیؒ کی مذکورہ بالا رائے اور اُن کا نقطۂ نظر فلسفہ زدہ اور متاخرین متصوفہ میں سے اکثر کے متعلق تو بہت حد تک صحیح ہے۔ لیکن متقدمین صوفیہ کے مقاصد پر اس مفہوم کا اطلاق کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ پہلی دو صدیوں تک فلسفہ اور تصوف (یا زہد) جڑواں بھائی نہ تھے، جیسا کہ حامد الفقیؒ کا خیال ہے۔ متقدمینِ صوفیہ کا مقصد تو صرف مقامِ "احسان" تک پہنچنا تھا۔		(باقی)

---

[1] الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۳۸

[2] مدارج السالکین ۱: ۲۷۴ (ملاحظہ ہوں حواشی استاذ حامد الفقی۔)

تحریکِ اسلامی کا جملہ لٹریچر حاصل کرنے کے لیے رجوع کریں

یبین اسلامک پبلشرز۔ ۱۳/۲ اے، شاہ عالم مارکیٹ لاہور

© rasailojaraid.com